© rasailojaraid.com

شیخ نجم الہدیٰ (تاثرات و ملاقات)

تحریک آزادی کے بہادر کارکن شیخ احسان اللہ احرار

محترم شیخ احسان اللہ احرار تحریک آزادی کے بہادر کارکن ہیں اور ان دنوں وزیر آباد میں زندگی کے باقی ایام جوانمردی کے ساتھ گزار رہے ہیں۔ پیرانہ سالی کے باوجود آواز میں وہی کڑک اور لہجہ میں کھنک باقی ہے جو ان کے عہد شباب کی جولانیوں کا پتہ دیتی ہے۔ انہوں نے ایک بھرپور زندگی گزاری ہے۔ انگریز سامراج کے خلاف جدوجہد میں قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار ہوئے مگر استقامت کے ساتھ مصائب کو برداشت کیا، ایک وفادار انسان ! کہ جو نصف صدی قبل تحریک آزادیٔ کشمیر کے دوران احرار رضاکار بھرتی ہوا مگر تاایں دم مجلس احرار ہی اس کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ سیاسی لیل و نہار اور نشیب و فراز انہیں احرار سے جدا نہ کرسکے۔

شیخ احسان اللہ...... دسمبر ۱۹۱۸ء میں حاجی شیخ عنایت اللہ کے ہاں وزیر آباد میں پیدا ہوئے۔ مڈل تک تعلیم حاصل کی۔ حضرت مولانا محمد رمضان خطیب جامع مسجد حنفیہ بازار والی (وزیر آباد) سے ابتدائی دینی تعلیم حاصل کی مگر جدوجہد آزادی میں بھرپور شمولیت کی وجہ سے تعلیم جاری نہ رکھ سکے۔ بعد میں علم طب سے تعلق پیدا کیا۔ باقاعدہ تعلیم حاصل کی۔ اور وزیر آباد میں حبیبیہ دواخانہ قائم کیا۔ تمام عمر رزق حلال کمایا اور حاجت مندوں کی خدمت کرتے رہے۔ وہ اپنی اجتماعی زندگی میں مجلس احرار اسلام سے وابستہ رہنے کے ساتھ ساتھ مختلف سماجی اور اصلاحی تنظیموں سے بھی منسلک رہے اور بے لوث خدمات سرانجام دیتے رہے۔ کمپنی کمانڈر قومی رضاکار تنظیم وزیر آباد، میونسپل کمشنر، بی ڈی ممبر بلدیہ وزیر آباد، سیکرٹری وارڈن شہری دفاع وزیر آباد، متولی انجمن نصرت الحق، جامع مسجد حنفیہ بازار والی وزیر آباد وغیرہ وغیرہ۔ شیخ صاحب ایک طویل عرصہ تک مجلس احرار اسلام وزیر آباد کے صدر بھی رہے۔

ان کے والد ماجد جناب حاجی شیخ عنایت اللہ مرحوم۔ ۱۹۱۹ء میں جلیانوالہ باغ (امرتسر) فوج کی فائرنگ کا ظلم برداشت نہ کرسکے اور وزیر آباد میں انگریزوں کے خلاف سرگرم عمل ہوگئے۔ نتیجۃً گرفتار ہوگئے۔ جلیانوالہ، اور ڈنگہ پر جب انگریزوں نے حملہ کیا تو ان کے آباؤ اجداد ہجرت کرکے وزیر آباد آگئے۔ اس شہر کو انگریز کے خلاف جدوجہد کا مرکز بنایا۔ تحریک سول نافرمانی کے دوران انگریزی حکومت کا ظالم نظام درہم برہم کردیا۔ ٹیلی فون کے تار کاٹ دیئے۔ ریلوے سگنل توڑ ڈالے اور اسٹیشن کو آگ لگادی۔ بعد میں گرفتار ہوئے تو پھانسی کی سزا سنادی گئی مگر عدم ثبوت کی بناء پر سزا 9 ماہ کردی گئی۔ اور گورنمنٹ پرنٹنگ پریس میں مشقت کرتے رہے۔

شیخ احسان اللہ احرار کی زندگی ایک جہد مسلسل اور وفا وایثار کی تابندہ مثال ہے۔ ایسے ہزاروں کارکن ہیں جو گمنامی میں چلے گئے ہیں مگر ان کے کارہائے نمایاں سے نئی نسل اپنے ان محسنوں سے قطعی بے خبر ہے۔

۱۹۲۹ء میں مجلس احرار اسلام قائم ہوئی اور ۱۹۳۰ء میں ڈوگرہ راج کے خلاف مجلس احرار نے تحریکِ آزادیٔ کشمیر کا آغاز کیا۔ یہ تحریک اپنے نتائج کے اعتبار سے تاریخ ساز اور عہد ساز ثابت ہوئی۔ اسی موقع پر شیخ احسان اللہ مجلس احرار اسلام میں شامل ہوئے اور تحریک کشمیر میں بھرپور حصہ لیا بعد ازاں مجلس احرار اسلام کی برپا کی ہوئی تمام تحریکوں میں دیوانہ وار شریک ہوئے۔ خصوصاً تحریک تحفظ ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں تو انہوں نے اپنی تمام توانائیاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صرف کردیں۔ آج ۱۹۹۷ء ہے اور شیخ صاحب کی وفا و استقامت کا یہ عالم ہے کہ گزشتہ چونسٹھ برس سے احرار سے ہی وابستہ ہیں۔ بڑے بڑے سیاسی طوفان ان کی اس وابستگی کو متاثر نہ کرسکے۔ حتیٰ کہ "احرار" ان کے نام کا حصہ بن گیا۔ انہوں نے تحریک آزادی کے مقتدر رہنماؤں کو دیکھا اور سنا۔ اور ان کے افکار و عمل سے متاثر ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر ۸۷ برس ہے مگر اس عمر میں وہ پرعزم اور حوصلہ مند دکھائی دیتے ہیں۔ شیخ صاحب کی زندگی کی ایک واقعاتی جھلک ملاحظہ فرمائیں۔

۵۲-۱۹۵۱ء کا واقعہ ہے کہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ نے گکھڑمنڈی میں ایک جلسۂ عام سے خطاب کرنا تھا۔ شیخ صاحب ان دنوں پولیس قومی رضاکار کے کمپنی کمانڈر تھے اور مجلس سے وابستہ تھے۔ انہوں نے حضرت شاہ جی کو عسکری سلامی دینے کا پروگرام بنایا۔ شیخ احسان اللہ صاحب کا کہنا ہے .... "میں نے سوچا کہ حضرت شاہ جی کو پورے اعزاز کے ساتھ جلسہ گاہ میں لایا جائے اور انہیں عسکری سلامی پیش کی جائے، مارچ پاسٹ اور معائنہ پریڈ کرائی جائے۔ اس کے لئے میں گکھڑمنڈی گیا۔ اور جماعتی ساتھیوں سے اجازت طلب کی تو انہوں نے اجازت نہ دی۔ مگر میں مایوس نہ ہوا۔ واپس آکر پولیس قومی رضاکاروں کو تیار کیا اور پوری کمپنی کو ساتھ لے کر جلسہ گاہ میں سب سے پہلے پہنچ گیا۔ جلسہ نماز عشاء کے بعد ہونا تھا۔ میں نے پنڈال میں پہنچ کر ساتھیوں (قومی رضاکاروں) کو ہوشیار کیا اور ہم شاہ جی کا انتظار کرنے لگے۔ کچھ ہی دیر بعد فضاء نعروں سے گونج اٹھی چند لمحوں میں شاہ جی سٹیج پر تشریف لائے۔ میں پریڈ کرتا ہوا سٹیج کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ چونکہ میں قومی رضاکار کی وردی میں تھا۔ محترم شاہ جی سٹیج پر کھڑے ہوگئے اور کچھ دیر بعد شاہ جی نے مجھے پہچان لیا۔ اور فرمایا تم احسان اللہ ہی ہو؟ میں عرض کیا جی ہاں!

پھر شاہ جی نے وزیر آباد کے ساتھیوں کے بارے میں پوچھا (جن میں لالہ ابراہیم، بابو غلام رسول بی ڈی ممبر، حبیب اللہ سالار شامل تھے) اس کے بعد شاہ جی نے پوچھا "تم کیا چاہتے ہو"؟ میں نے عرض کیا آپ جانتے ہی ہیں کہ میں پولیس قومی رضاکار کا کمپنی کمانڈر ہوں اور میں آپ کو سلامی دینا چاہتا ہوں۔ مگر مقامی ساتھی اجازت نہیں دے رہے۔ شاہ جی نے فرمایا تو بھائی بتاؤ میرے لائق کیا خدمت ہے؟ میں نے قبلہ شاہ جی کو پریڈ کے بارے میں بتایا تو شاہ جی میرے اس جذبے سے بے حد متاثر ہوئے اور سٹیج پر نیچے پاؤں لٹکائے بیٹھ گئے اور فرمایا جب تک میرا یہ بیٹا راضی نہیں ہوتا میں تقریر نہیں کرونگا۔ صدر جلسہ اور منتظمین جلسہ میرے اس بیٹے کو راضی کرلیں۔ اجازت ملنے پر میں نے اپنی کمپنی کو باواز بلند ہوشیار کیا۔ چند ہی لمحوں میں رائفلوں کے دستوں پر جوانوں کے ہاتھوں کی آواز فضا میں گونج اٹھی اور ساتھ ہی بینڈ نے سلامی کی دھن بجائی۔ ہماری کمپنی کے جوانوں کے آگے بینڈ کا دستہ تھا۔ اس کے پیچھے میں اپنی کمپنی کی کمان کرتا ہوا سٹیج کے سامنے سے گزرا۔ آپ نے پہلے بینڈ کے کمانڈر کے عسکری سلام کا اور بعد میں میرے عسکری سلام کا جواب دیا ہم پریڈ کرتے ہوئے جس جگہ سے چلے وہاں واپس جاکر قطاروں میں کھڑے ہوگئے پھر میں شاہ جی کے پاس دوبارہ سٹیج کے قریب گیا اور آپ سے درخواست کی کہ کمپنی برائے معائنہ تیار ہے۔ آپ میرے پیچھے چلتے ہوئے جوانوں کے قریب آئے اور جوانوں کو دیکھتے ہوئے قطاروں کے آگے سے گزرے۔ اس معائنہ کے بعد میں شاہ جی کو عسکری انداز میں پورے اعزاز کے ساتھ سٹیج پر لے آیا۔ آپ سٹیج پر تشریف فرما ہوئے اور میں واپس اپنے کمپنی جوانوں کے پاس چلا گیا۔ جلسہ کی کارروائی ہماری اس گھنٹہ بھر کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کارروائی کے بعد شروع ہوئی۔

ڈسٹرکٹ جیل گوجرانوالہ:

تحریک تحفظ ختم نبوت ۱۹۵۳ء کے دوران ڈسٹرکٹ جیل گوجرانوالہ میں، میں اور میرے ساتھ مولانا محمد چراغ، قاضی نور محمد، پیر بشیر شاہ آف سوہدرہ وغیرہ پر مشتمل تقریباً ۶۵ افراد تھے۔ مولانا محمد چراغ مرحوم مجھ سے بہت محبت کرتے تھے۔ ہم لوگ ساڑھے تین ماہ جیل میں رہے۔ جیل میں مولانا کے ایک شاگرد مولوی عبدالمالک اور جماعت اسلامی کے چودھری محمد اسلم بھی تھے۔ ایک دن دسترخوان پر بیٹھے بیٹھے انہوں نے حضرت امیر شریعت کے متعلق نازیبا الفاظ کہے۔ میں لب ولہجہ برداشت نہ کرسکا۔ سالن سے بھرا ہوا پیالہ اس کے منہ پر دے مارا اور خوب بے نقط سنائیں۔ مولانا محمد چراغ مرحوم نے اسے خوب ڈانٹا اور فرمایا کہ "میں نے تمہیں پہلے بھی کہا ہے کہ تم حضرت شاہ جی کے متعلق معقول لب ولہجہ اختیار کیا کرو۔ مگر تم باز نہیں آتے پھر تم نے ان کے ایک عقیدت مند کے سامنے یہ حرکت کرکے بہت برا کیا۔

اتنے میں سپرنٹنڈنٹ جیل سید دولت علی شاہ آگئے اور ہنستے ہنستے کہنے لگے کیا ہوا آپ لوگ جیل میں بھی اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ آپ کو بی کلاس ملی ہوئی ہے، گوشت بھی ملتا ہے۔ ان لوگوں سے پوچھئے جنہیں سی کلاس ملی ہوئی ہے۔ میں نے کہا جناب مجھے چکی میں بند کردیں میں ان کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ بالآخر اس نے مجھے ہسپتال بھجوادیا۔

ایک دن مولانا محمد چراغ مرحوم نے مجھے کہا کہ وہ بزرگ جو چارپائی پر تشریف فرما ہیں ان سے جا کر پوچھو کہ چھٹے دن تو ہمیں گوشت ملتا ہے، ہم کھا کر الحمدللہ پڑھتے ہیں۔ ساتویں دن دال ملتی تو اس کے کھا لینے کے بعد "الحمدللی" کہہ دیں۔ میں نے ایسا ہی کیا میرا یہ کہنا تھا کہ وہ حضرت موصوف جوتا اٹھا کر دوڑے۔ وہ میرے پیچھے پیچھے اور میں پوری جیل میں آگے آگے۔ ہم دونوں ہانپ گئے۔ تو مولانا محمد چراغ پھر آگے بڑھے اور بیچ بچاؤ کرا دیا اور کہنے لگے حضرت یہ نوجوان ہنس مکھ اور بامذاق آدمی ہے اس کی باتوں کا برا نہ منائیں۔

یہ بزرگ قلعہ دیدار سنگھ کے حضرت قاضی نور محمد تھے ان کی موٹی آنکھیں، سرخ انگارہ معلوم ہوتی تھیں چہرہ بارعب، جلالی بزرگ تھے۔ میں ان کے مزاج سے واقف نہ تھا۔ مگر مولانا محمد چراغ صاحب انہیں خوب جانتے تھے۔

مرزائیوں کے جلسے درہم برہم

آزادی سے قبل کا واقعہ ہے کہ حافظ آباد میں قادیانیوں کا جلسہ ہوتا تھا۔ ادھر وزیر آباد میں مجلس احرار کے کارکنوں کو بھی اس بات کا علم ہوگیا اور طے پایا کہ قادیانیوں کا جلسہ کہیں بھی کامیاب نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر جلسہ ہو تو درہم برہم کر دیا جائے۔ چنانچہ ساتھی حافظ آباد مرزائیوں کا جلسہ ناکام کرنے کا مشن لے کر گئے۔ ہر رضا کار کی الگ الگ ڈیوٹی لگا دی گئی۔ ایک رضا کار نے شامیانوں کی رسیاں کاٹنی تھی دوسرے کے ذمہ گیس کا بجھانا اور تیسرے نے بروقت سب کو آگاہ کرنا تھا۔ میری ڈیوٹی سب سے الگ تھی اور وہ یہ تھی کہ جب شامیانے گرنے لگیں تو مجھے مٹی کے چھوٹے چھوٹے پانچ چھے مرتبان سٹیج پر پھینکنا تھے۔ اس مشن پر جب روانہ ہونے لگے تو وزیر آباد میں ہمارے ایک نیک سیرت بزرگ، جماعت کے سرگرم رکن اور ہمدرد ساتھی نے مجھے کہا کہ بٹاشا جانے سے پیشتر مجھ سے مل کر جانا۔ وہ بزرگ بتاشوں کا کام کرتے تھے۔ اس زمانے میں شام چھے بجے گاڑی حافظ آباد جایا کرتی تھی۔ میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے بزرگ ساتھی جو "دارہ کبوتراں" کے مقابل بتاشے بناتے تھے انکی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے تھیلے میں پانچ، چھے مٹی کے چھوٹے چھوٹے مرتبان جن کے منہ موٹے کاغذ سے بند تھے مجھے دیئے۔ اور فرمایا پنڈال میں کسی کونے میں بیٹھے رہنا اور جب شامیانے گرنے کے لئے حرکت میں آئیں ایک ایک کر کے مرتبان سٹیج پر پھینکتے جانا۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ مرتبانوں میں کیا ہے اور میں نے پروگرام کے مطابق ایسا ہی کیا۔ مرتبانوں کا سٹیج پر گرنا ہی تھا کہ اس میں سے کالی بھیڑیں آناً فاناً نکلیں اور چمٹ گئیں۔ انہوں نے سٹیج پر موجود قادیانیوں کو کاٹنا شروع کر دیا۔ کسی کی ناک پر، کسی کے ہونٹ اور آنکھ، کسی کے کان اور گال پر یہ عجیب منظر تھا۔ ادھر سائبانوں کے گرنے کی وجہ سے بھگدڑ مچی ہوئی تھی تو ادھر سٹیج پر بھڑوں نے اپنا پروگرام شروع کیا ہوا تھا۔ دوسرے روز قادیانی جب بازار سے گزرے تو ان کی حالت قابل دید تھی۔ کیونکہ بھڑوں نے ان کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔

اسی طرح موتی بازار وزیر آباد میں مرزائیوں نے اپنے مرزواڑے (عبادت گاہ) کے سامنے ایک جلسہ رکھا۔ گرمیوں کا موسم تھا چونکہ جلسے عموماً رات ہی کو ہوا کرتے تھے۔ رات کے ہوا چلنی شروع ہوئی۔ ہم نے پھر پروگرام ترتیب دیا۔ اس مرتبہ انداز پہلے سے جدا تھا۔ گیس لیمپ اور سائبانوں کی ڈیوٹیاں تو حسب سابق ہی تھیں مگر سٹیج کا نشانہ علیحدہ تھا۔ ہم چند ساتھی سامنے کے مکانوں کی چھتوں پر چڑھ گئے ہمارے ہاتھوں میں لوہے کی بڑی بڑی پچکاریاں تھیں جن میں سیاہی بھری ہوئی تھی۔ جب جلسہ شروع ہوا پہلے گیس لیمپ توڑے گئے۔ جس سے اندھیرا ہو گیا۔ چونکہ ہم سٹیج کی مخالف سمت میں تھے۔ ہم نے پچکاریاں چلانا شروع کر دیں ان میں موجود گاڑھی سیاہی نے سٹیج پر موجود تمام قادیانیوں کے چہروں کو سیاہ کر دیا۔ کافی روز گزرنے کے بعد بھی ان کے مکروہ اور "ڈب کھڑبے" چہروں سے سیاہی نہ اتر سکی۔

شیخ صاحب بنیادی طور پر ایک کارکن تھے اور عمر بھر کارکن ہی رہے۔ بہادر کارکن جماعتوں کا اثاثہ ہوا کرتے ہیں۔ ان کی زندگی کے بے شمار واقعات ایسے ہیں جو تاریخ کا حصہ بننے کے قابل ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں صحت کاملہ عطاء فرمائے (آمین) محترم شیخ نجم الہدیٰ (شیخ صاحب کے فرزند) نے ماضی کے اوراق پلٹتے ہوئے محترم سٹیج احسان اللہ احرار سے کچھ باتیں کی ہیں اور کچھ سنی ہیں اور یہی کہیں سنی باتیں ہم نذر قارئین کر رہے ہیں کہ یہ تاریخ کا حصہ ہیں۔

س: قیام پاکستان کے موقع پر آپ وزیر آباد میں سیاسی، سماجی، حیثیت سے کیا خدمات سرانجام دے رہے تھے؟

ج: جب پاکستان بنا تو میں ان دنوں مجلس احرار اسلام وزیر آباد کا صدر تھا اور اس کے ساتھ ساتھ پولیس قومی رضاکاروں کا کمپنی کمانڈر بلدیہ وزیر آباد کا میونسپل کمشنر بھی تھا۔ نیز برادری شیخاں کا صدر بھی تھا۔ اس وقت میرے پیشِ نظر سب سے اہم کام یہ تھا کہ جو مسلمان ہجرت کر کے پاکستان آ رہے ہیں اور جو وزیر آباد میں آئے ہیں ان کی بحالی کا کام کیا جائے اور انہیں تحفظ فراہم کیا جائے۔ اس سلسلے میں ایک کمیٹی بنائی گئی تھی اس کمیٹی کا میں رکن بھی تھا۔

جب مہاجرین آنا شروع ہوئے تو ان دنوں رات کو کرفیو ہوا کرتا تھا۔ رات کو بغیر کرفیو پاس کے باہر نکلنا ناممکن ہوا کرتا تھا۔ میں نے اپنی کمیٹی کے ارکان اور جملہ رضاکاروں اور معززین شہر کے ہمراہ افسران بالا سے ملاقات کی اور رات کو کام کرنے کی اجازت طلب کی جو انہوں نے دے دی۔ رات کو ہم محلہ شیخاں مشرقی میں واقع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے گھر کے سامنے چاولوں اور دیگر خورد و نوس کی دیگیں پکواتے جو تقریباً رات بھر میں تیار ہوتی تھیں۔ انہیں صبح بجے کے قریب ریلوے اسٹیشن پر لے آتے اور جو گاڑیاں مہاجرین سے بھری ہوئی لاہور کی جانب سے آتی تھیں ان گاڑیوں کو گارڈز حضرات سے درخواست کر کے رکوا لیتے اور مہاجرین کو کھانا وغیرہ دیا جاتا۔ ہماری یہی کوشش ہوتی کہ یہ لوگ ہمارے ہاں ٹھہر جائیں۔ بعض حضرات تو انکار کر دیتے مگر بعض ہماری درخواست پر ٹھہر جاتے تھے۔

چونکہ یہ ایک بہت بڑا انقلاب تھا۔ جس طرح ہمارے مسلمان بھائی ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آئے۔ ایسے ہی جو ہندو پاکستان میں یا وزیر آباد میں آباد تھے۔ وہ ہندوستان چلے گئے ان کے جانے کے بعد وزیر آباد میں کافی محلے خالی ہو گئے تھے۔ خالی مکانوں پر کمیٹی کا کنٹرول تھا اور جو لوگ ٹھہر جاتے ان کو ان مکانوں میں بسا دیا جاتا تھا جو ہندو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ مکان کے ساتھ ساتھ ان کی دیکھ بھال بھی کی جاتی۔ انہیں راشن، موسم کے مطابق، پارچات اور بستر، استعمال کے لئے بنیادی کراکری و برتن وغیرہ دیے جاتے تھے۔

س: یہ راشن کپڑے بستر وغیرہ کون مہیا کرتا تھا؟

ج: ایک تو یہ امداد باہمی کے طور پر کمیٹی اس کا انتظام کرتی فنڈز اکٹھے کر کے خرچ کرتی کیلئے دوسرا یہ کہ ہندو جب مکان چھوڑ کر جاتے تو ان کا کچھ سامان رہ بھی جاتا تھا۔ اس سامان کو حکام بالا کی اجازت سے مہاجرین میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ ہم نے ہزاروں کی تعداد میں مسلمانوں بھائیوں کو ان محلوں میں آباد کیا۔ ان کے رہن سہن کا بندوبست کیا اور اگر خدانخواستہ کوئی مرگ ہو جاتی تو اس کے کفن و دفن کا انتظام بھی کیا جاتا۔

یہ سلسلہ مہینوں چلتا رہا اور ہم اپنے اس فرض کی ادائیگی میں مگن رہے۔ کام کی زیادتی کی وجہ سے کمیٹی نے مختلف افراد کے ذمے مختلف وارڈز سونپ دیئے اس سلسلہ میں میرے وارڈ سے ملحق اور شہر کا کچھ حصہ کی ذمہ داری مجھے سونپ دی گئی۔

میں اپنے جماعتی احباب، قومی رضاکاروں اور دیگر احباب کے ہمراہ ان علاقوں کا دورہ کرتا رہتا اور جیسے جس چیز کی ضرورت ہوتی اسے مہیا کی جاتی ان کی ہر طرح سے دیکھ بھال کی جاتی۔ جوان بچیوں کی شادی وغیرہ بھی کی جاتی اور بچی کو جہیز بھی دیا جاتا۔ اکثر مہاجر لوگ مقامی لوگوں سے مل جل گئے۔ کاروبار اکٹھے ہونے لگے اور ان کی رشتہ داریاں بھی ہوئیں۔ اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہا اور ادھر حکومتیں بنتی اور ٹوٹتی رہیں۔ بالآخر ایوب خان کا دور آیا۔ اس دور میں اکثر مہاجرین آباد ہو چکے تھے۔ پھر ہم نے اپنے علاقہ کے وکلاء صاحبان کی مدد حاصل کر کے ان لوگوں کے کلیم بنوائے۔ جنہیں ہم ہندوؤں کے مکانوں میں بسا چکے تھے اور حکومت نے اعلان بھی کر رکھا تھا۔

وزیر آباد میں زیادہ لوگ کنج پورہ، کرتال کے علاقہ سے آئے۔ امرتسر، دھلی، بٹالہ کے علاقے سے بھی مسلمان آئے۔ کنج پورہ اور کرنال وغیرہ کے علاقہ سے آنے والے مسلمان بھائی بدقسمتی سے علاقائی تعصب کا شکار تھے اور وہ شاید مقامی لوگوں پر بھروسہ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ حالانکہ مقامی لوگوں نے ان کی آبادکاری میں ان سے کافی تعاون کیا تھا۔ وہ روائتی گٹھ جوڑ میں رہے اور بعد میں جب دور ایوبی میں الیکشن ہوا تو انہوں نے کنج پورہ کی ایک روائتی بگ بنا کر اپنے لوگوں کو اس کا واسطہ دیکر ووٹ مانگے۔ البتہ دوسرے علاقوں سے آنے والے کافی ملنسار تھے اور وہ ایک دوسرے پر اعتماد بھی کرتے تھے۔ میرے خیال میں شاید کنج پورہ کے لوگ زیادہ تعلیم یافتہ نہیں تھے اور نہ ہی ان کا وہاں کوئی مناسب کاروبار تھا ان کے مقابلے میں دوسرے علاقوں سے آئے ہوئے لوگ ایک دوسرے پر اعتماد تھے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انہوں نے اپنے سابقہ کاروبار تعلیم سے فائدہ اٹھا کر اور اپنے تجربہ کی بناء پر اپنے کلیم بیچ کر ان سے حاصل ہونے والی رقم سے دوبارہ کام شروع کر دیا۔ کلیم بن جانے کے بعد ہندو پراپرٹی کی نیلامی شروع ہو گئی اور مہاجرین کو ان کی خرید میں اپنے کلیم استعمال کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ نیلامی میں دکان یا مکان کوئی بھی ہندو پراپرٹی ہو تو مقامی لوگوں کو بولی دینے کا اختیار بالکل نہ تھا۔ البتہ جن مقامی لوگوں نے ہندوؤں سے جائیداد کرایہ پر حاصل کی ہوئی تھی ان کو بذریعہ نیلام دی گئی۔ بعض مسلمان بھائیوں نے تو اپنے کلیموں سے کافی فائدہ اٹھایا اور وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل ہو گئے اور بعض نے اپنے کلیم فروخت کر کے پیسے خرچ کر دیئے اور پھر دوسری جگہ جا کر آباد ہونا شروع ہو گئے۔

س: مہاجروں کو آباد کرنے میں کتنا عرصہ لگا؟

ج: مسلمان ہجرت کر کے ۴۸۔۱۹۴۷ء کو آنا شروع ہو گئے۔ تھے۔ اور یہ سلسلہ کافی ماہ چلتا رہا۔ البتہ ان کی مکمل بحالی صدر ایوب خان کے دور میں ہوئی ۱۹۵۸ء تک تقریباً۔

س: کوئی ایسا واقعہ جو آپ کو نہ بھولتا ہو؟

ج: واقعات تو بہت ہیں۔ اگر آپ لکھنا شروع کریں تو یہ ایک ضخیم کتاب بن جائے گی۔ البتہ ایک واقعہ مجھے آج تک یاد ہے، وہ کچھ یوں ہے کہ دسمبر ۱۹۴۸ء تھا۔ رات کا وقت اور سردی اپنے عروج پر تھی۔ ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی۔ ان دنوں وزیر آباد بجلی نہیں ہوا کرتی تھی۔ اندھیرا سا چھایا ہوا تھا میرے مکان جو حویلی نما تھا واقع محلہ شیخاں مشرقی سے ملحق گلہ بکریاں والا کے باہر کے ایک پیپل کا درخت ہے جو اب بھی اس قصہ کی یاد دلاتا ہے۔ میں اور میرے رفقاء حسب معمول اپنے علاقے کا چکر لگاتے ہوئے جب اس درخت کی سمت ہوئے تو دور سے ایسا محسوس ہوا۔ جیسے کوئی گٹھڑی پڑی ہوئی ہو۔ قریب جا کر دیکھا کہ ایک نوجوان اپنے ساتھ تین چار بچے سمٹائے بیٹھا ہوا ہے اور بچے رو رہے ہیں اور مارے سردی کے کانپ رہے ہیں۔ بچوں کی عمر تقریباً ۶، ۹ سال تک کی ہوں گی۔ میں نے اور میرے ساتھیوں نے ان بچوں کو گود میں اٹھا لیا اور اپنے گھر لے آیا۔ اور ساتھ نوجوان کو آنے کو کہا۔ گھر پہنچا تو میری بیوی نے ان سب بچوں کو اپنے بچوں کے ہمراہ گرم بستروں میں سلا دیا اور جو نوجوان تھا اسے میں نے اپنے پاس سلا لیا۔ مارے پریشانی، دکھ تکلیف اور صعوبتوں کے وہ بچے اور نوجوان رات بھر سو نہ سکے۔ وہ ذہنی طور پر بڑے کرب سے گزرے تھے۔ وہ ساری رات روتے اور بڑبڑاتے رہے۔ بڑی مشکل سے ان کو کھانا کھلایا اور سمجھایا کہ گھبراؤ نہیں صبح انشاء اللہ آپ کے ساتھ بہت اچھا تعاون ہو گا۔ رات جیسے تیسے ہو گزر گئی۔ صبح ان مہمانوں کو ناشتہ دیا۔ ناشتہ کے بعد اس نوجوان کی ذہنی کیفیت کچھ سنبھلی اور اس نے کہا کہ میری والدہ بڑی بہن اور والد گاڑی سے اترتے ہوئے ہم سے بچھڑ گئے ہیں۔ ہم نیچے اترے ہی تھے کہ گاڑی چل پڑی اور وہ گاڑی میں ہی رہ گئے۔ اب ہم ناواقف ہیں۔ راستوں کا ہمیں علم نہیں۔ میں نے اس نوجوان کو تسلی دی گھبراؤ نہیں اللہ کو منظور ہوا تو وہ تمہیں ضرور مل جائیں گے۔

بچوں کو نہلا دھلا کر نئے کپڑے پہنا دیئے اور وہ دوسرے بچوں میں گھل مل گئے۔ جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ان مہاجروں کے کھانے کے لئے دیگیں پکتیں تھیں۔ سو اسی طرح جب کھانا لے کر اسٹیشن جاتے تو اس نوجوان کو بھی ساتھ لے جاتے اور جو گاڑی راولپنڈی سے لاہور کی طرف آتے ہوئے وزیر آباد رکتی اسے گارڈ سے کہہ کر رکوا لیتے کچھ دیر کے لئے اور ہر ڈبہ میں جا کر اس کی والدہ والد اور بہن کا نام بلند آواز سے پکارتے اگر وہ ہو تو ہم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے رابطہ کرے۔ ان دنوں گاڑیاں مسافروں سے کھچا کھچ بھری آتی تھیں۔ لوگ چھتوں پر سوار ہو کر آیا کرتے تھے۔ گاڑی میں سوار ہونا اور باہر نکلنا بہت ہی مشکل ہوتا تھا۔

ایک دن خوش قسمتی سے تینوں افراد گاڑی کی چھت پر سوار مل گئے۔ ایک تو وہ بے چارے ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آئے اور یہاں آ کر وہ اپنے کنبے کے افراد سے بچھڑ گئے۔ صدمے پر صدمہ، اس سے ان کی ذہنی کیفیت کچھ عجیب سی ہو گئی تھی۔ وہ ایک دوسرے کو پہچان نہیں رہے تھے۔ ان کو بڑی مشکل سے نیچے اتارا تو چیخ و پکار شروع کر دی۔ آہ و بکا کرنے لگے اور سکھوں کے مظالم تو ان کی نگاہوں میں پہلے ہی تھے وہ بے چارے یہی سمجھتے کہ دوبارہ سکھوں نے یا ہندوؤں نے حملہ کر دیا ہے اور انہیں گاڑی سے اتار لیا ہے۔ میں نے جب انہیں سمجھانا چاہا تو انہوں نے بڑے بے رحمانہ طریقے سے میری پٹائی کرنی شروع کر دی۔ میں تو سمجھا تھا ان کے دکھ درد کو، سو سب کچھ خاموشی سے سہہ گیا۔ گاڑی چل پڑی اور پلیٹ فارم خالی ہو گیا۔ صرف میں اور میرے ساتھ اس نوجوان کا کنبہ تھا۔ بڑے پیار و محبت اور مشکل سے ان کو تانگوں میں سوار کرا کے اپنے گھر لایا۔ جب انہوں نے گھر کی دہلیز پر قدم رکھا اور اپنے دوسرے بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھا تو ایک کہرام سا مچ گیا۔ بڑا رقت آمیز منظر تھا بچے اپنے ماں باپ سے لپٹ گئے۔ ماں باپ اپنے بچوں کو اپنے سینے میں سمانے کی کوشش کر رہے تھے۔ آہوں اور سسکیوں کا ایک عجیب سماں تھا۔ آنسو جیسے کے تھمنے کا نام ہی نہیں لیتے تھے۔ ان کے رونے کی آواز سنکر ہمارے اڑوس پڑوس کے لوگ چھتوں پر چڑھ کر ہمارے گھر میں دیکھ رہے تھے۔ کہ یہاں خدانخواستہ کیا ہو گیا ہے۔ بس کیا بتاؤں الفاظ نہیں جو میرے ان جذبات کی ترجمانی کر سکیں۔ جو اس وقت تھے۔ ایک قیامت کا سماں تھا۔ اپنے بچوں کو پا لینے کے بعد (جو کہ غیر یقینی تھا) ان کی ذہنی کیفیت نے کچھ آرام و سکون محسوس کیا۔ وہ ۲ دن اور ۲ راتیں نیم بے ہوشی کی طرح پرسکون سوئے رہے۔ جب ان کی حالت کچھ سنبھلی تو میں نے ان کو اپنے قریبی محلہ گلی پانی والی ٹینکی میں ایک خالی مکان منتقل کر دیا اور ساتھ ہی بنیادی ضرورت کی تمام اشیاء راشن، برتن، بستر اور کپڑے مہیا کر دیئے گئے۔ وقت گزرتا گیا۔ ہم بھی اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔

بانی پاکستان کی رحلت کے بعد کوئی حکومت زیادہ دیر نہ ٹھہر سکی اور پھر فیلڈ مارشل ایوب خان نے اقتدار سنبھال لیا۔ یہ وہ دور تھا کہ ہم نے ان لوگوں کی مکمل بحالی کے لئے ان کے کلیم بنوانے کے بعد ان کو قبضہ وغیرہ دلانا شروع کر دیا تھا۔ اسی سلسلہ میں مجھے لاہور جانا پڑتا تھا۔

حسنِ اتفاق دیکھیئے کہ میں جناب عطا محمد صاحب چیف کمشنر محکمہ آبادکاری کے دفتر کے صحن میں کھڑا تھا۔ یہ دفتر ۱۱۔ ایبٹ روڈ مقابل فلیٹی ہوٹل تھا۔ میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ جن کی اپیلیں چیف کمشنر صاحب کی عدالت میں تھیں کھڑا تھا۔ اتنے میں ایک موٹر سائیکل پر ایک خوب صورت نوجوان آ کر رکا اور وہ میرے ساتھ لپٹ کر رونے لگا۔ اس کی زبان پر رونے کے ساتھ ساتھ ایک ہی جملہ تھا کہ You Are My Father یعنی تم میرے باپ ہو۔ بس یہی جملہ وہ دہراتا رہا۔ میں نے اسے پیار کیا اور چپ کرایا۔ پوچھا بیٹا تم کون ہو؟ اس لڑکے نے کہا میں بعد میں بتاؤنگا کہ میں کون ہوں آپ یہ بتایئے کہ آپ یہاں کیسے آئے ہیں، کیا کام ہے آپ کو؟

میں نے بتایا کہ یہ جو ساتھی میرے ساتھ آئے ہیں ان کی اپیلیں ہیں اور مقدمات کی تمام نوعیت بھی بتائی۔ اس لڑکے نے کہا کہ میں یہاں چیف کمشنر صاحب کا سٹینو ہوں۔ گھبرایئے نہیں اللہ بہتر کریگا۔ پھر وہ ہمیں ایک

(بقیہ ص ۳۸)

© rasailojaraid.com